Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہیں؟"

"چار جماعتیں پاس ہُوں۔ تمہیں اچھی طرح پتا ہے۔ تم ہمیشہ ایک جماعت گھٹا کے بتاتے ہو۔"

اعجاز اب فصل کی ذمہ داری سے دستبردار ہو چکا تھا۔ اِس وقت اُس کی نظریں سکینہ کا تعاقب کر رہی تھیں جو پینتیس کے لگ بھگ ہونے کے باوجود چال ڈھال اَور بدن میں نوعمر لڑکیوں کی مانند تھی۔ سَاتھ ہی تھکاوٹ اَور نیند سے اعجاز کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھی اَور اُس کے اندر گہری نیند سو جانے کی خواہش تھی۔ وہ نلکے پر کلی کر کے اندر چارپائی پہ جا کر لیٹ گیا۔

"چل چھوڑ اِن باتوں کو،" وہ بولا۔ "اِدھر آ۔"

سکینہ اُس کے پاس آ کھڑی ہُوئی۔

"جا،" اعجاز اُس کی ران پر ہاتھ رکھ کر بولا، "اندر سے کنڈی چڑھا کے آ۔"

"اُوں، ہوں،" سکینہ نفی میں سَر ہلا کر پیچھے ہٹ گئی۔

"اوں ہوں کی کیا بات ہے؟ ہر وقت اوں ہوں، اوں ہوں کرتی رہتی ہے۔"

"کپڑے آئے ہیں،" سکینہ نے کہا۔

"تجھے ہر دُوسرے دِن کپڑے آ جاتے ہیں؟ بہانہ تو نہیں بنا رہی؟ ایک دِن تجھے ڈاکٹر کے پاس لے گیا تو تیرا پول کھل جائے گا۔"

"ہاں ہاں، مہینے میں دو دِن تو تم اَپنے دِل کو لے کر آتے ہو۔ مہینہ تمہیں دو دِن کا کیوں نہ لگے؟"

"چل کپڑے وپڑے چھوڑ، کوئی حرج نہیں، آ جا۔"

"ہائے ہائے خُدا کا خوف کرو، تمہارے سَر پر تو جن سوار ہیں۔"

"بہت سارے جن نہیں، صرف ایک ہی جن ہے۔"

"چل چل، سو جا،" سکینہ نے بے تکلفی سے کہا۔ پھر دروازے سے باہر جاتی ہوئی شرارت سے بولی، "نیند نہیں آتی، تو وضو کر کے نماز نیت لے۔ دین بھی راضی، دُنیا بھی راضی۔"

مگر اِتنے میں اعجاز کروٹ بدل کر سو چکا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باب 12

شامیں خنک ہو چکی تھیں۔ سرفراز کی پوسٹنگ بہاولپور کی ہو چکی تھی اَور وہ تین روز کی چھٹی پر گھر جاتا ہوا شعیب کے گھر رات گزارنے کی غرض سے آیا تھا۔ دونوں گھر کے لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ سرفراز اَپنے دِل میں نسیمہ کی راہ تک رہا تھا۔ اِس ایک سال کے اندر سرفراز اَور نسیمہ کی قربت، جی اَور آپ کی منزل سے گزُر کر تم اَور تو کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ اُن دونوں کی دوستی کو شعیب اَور اُس کے باپ نے بھی اَن کہے طور پہ تسلیم کر لیا ہوا تھا۔ آنے سے پہلے سرفراز نے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے شعیب سے، جِس کی پوسٹنگ اب سیالکوٹ میں تھی، ملاقات کا وقت طے کر لیا تھا۔ دونوں تین ماہ کے بعد آپس میں ملے تھے اَور بہت سی اَپنی اَور اَپنے دوستوں کی باتیں کر رہے تھے۔ دھوپ ڈھل رہی تھی۔ نسیمہ ابھی گھر نہ آئی تھی۔ کچھ ہی دیر میں بریگیڈیئر کرار حسین اَپنے فوجی فاؤنڈیشن کے دفتر سے جہاں وہ ڈپٹی مینجر تھے، واپس لوٹے اَور سرفراز سے ملنے کے بعد وہیں بیٹھ گئے۔ حال احوال پُوچھنے کے بعد، حسب معمول اُنہوں نے اَپنی سابقہ سروس کی باتیں شرُوع کر دیں۔ شعیب نے بوریت کے اَنداز مَیں سرفراز کو دیکھ کر آنکھیں آسمان کی جانب اُٹھائیں، مگر بریگیڈیئر صاحب اَپنی رو میں بولے جا رہے تھے۔

"بہاولپور کی پوسٹنگ کوئی پسند نہیں کرتا۔ گرمی۔ ریگستان۔ نوانٹرٹین منٹ۔ نوجوان افسروں کے لِئے بہاولپور اِز بیڈ نیوز۔ بٹ آئی لائیکڈ اِٹ دیئر۔ میں نے وہاں بٹالین بھی کمان کی ہے اَور پانچ سال بعد بریگیڈ بھی کمان کیا ہے۔ ونڈر فل ٹوپوگرافی۔ شکار کے لِئے اِس سے بہتر اَور کوئی جگہ نہیں۔ اب تو سنا ہے بڑے بڑے عرب شیخ وہاں شکار کے لِئے آتے ہیں۔ ابو دابی اینڈ واٹ ناٹ۔ بسٹرڈ کا شکار کرنے آتے ہیں۔ اُن کے خیال میں اُن کی مردانگی کے لِئے مفید ہے۔ ہاہاہا۔۔۔۔" بریگیڈیئر صاحب نے اَپنا مخصوص فلک شگاف قہقہہ بلند کیا جِس کی گرج سڑک کے پار تک سنی جاتی تھی۔ قہقہے کی لرزش سے اُن کی مونچھیں اُچھلتی رہیں۔ "تُم نے سڑک پر سفر کرتے ہُوئے دیکھا ہو گا۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں اَور قصبوں کی دیواروں پر سب سے زیادہ قوتِ مردانگی کے اِشتہار ہوتے ہیں۔ جتنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیک ورڈ لوگ ہوتے ہیں اُن کو سب سے زیادہ اپنی قوت مردانگی کی فکر ہوتی ہے، کیونکہ وہی ایک میدان ہے جہاں وہ اپنا جھنڈا گاڑ سکتے ہیں۔ ہاہاہا۔۔۔۔"

"پاپا۔۔۔۔" شعیب نے ناپسندیدگی کے لہجے میں کہا۔

"شبو، دِس از دا ٹروتھ۔ بسٹرڈ تو ایک عام سا پرندہ ہے۔ اِس کا گوشت بھی کھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ مردانگی وردانگی آل نان سینس۔ یہ تیل کے پیسے والے عرب دنیا کے سب سے بزدِل لوگ ہیں۔ بسٹرڈ اِز ناٹ گوئینگ تو وِن دیم اے وار۔"

"مجھے تو بہاولپور اِس لِئے پسند نہیں کہ دُور ہے۔ تین دِن کی چھٹی آؤ تو دو دِن سفر میں ہی گزُر جاتے ہیں۔"

"شبو تو اب پاس ہی بیٹھا ہے، دو گھنٹے کا سفر ہے، پھر بھی مہینہ مہینہ بھر دکھائی نہیں دیتا۔ مگر بہاولپور کے ریگستانوں کی کیا بات ہے۔ پھر چولستان کے علاقے میں چلے جاؤ تو اَور ہی دُنیا ہے۔ وہاں کی زمین میں سوائے خُود رو جھاڑیوں کے کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ تمہیں علم ہے سرفراز، کہ آج سے دس پندرہ سال پہلے تک وہاں کے لوگ صرف دودھ اَور گوشت پر زندہ رہتے تھے۔ نہ اناج کھاتے تھے نہ سبزی۔ مویشیوں کے ریوڑ رکھ لیتے تھے، جو جھاڑیاں کھا کھا کر پلتے تھے۔ اُن کے مالک اُن ریوڑوں کو کھاتے اَور اُن کا دودھ پیتے تھے۔ بس۔ دَیٹ اِز اِٹ۔ میرا مزاج شرُوع سے ریگستانی رہا ہے۔ وہ اقبال کا شعر تم نے سنا ہوگا، ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرم، وہ حضر بے برگ و ساماں، وہ سفر بے سنگ و میل۔ اِن علاقوں کی لمبائی چوڑائی دِل میں بلند ہمتی پیدا کرتی ہے۔ مجُھے سروِس نے موقع نہیں دیا، ورنہ ابو دابی اینڈ واٹ ناٹ جاکر عربوں کو ایک دفعہ تو پریڈ کرا کرا کے جنگجو بنا دیا۔ بسٹرڈ اینڈ واٹ ناٹ سب بھول جاتے۔"

"مگر سروِس میں آپ کی باتیں آج تک لوگ کرتے ہیں،" سرفراز نے کہا۔ "آپ کا نام۔۔۔۔"

"بس نام ہی رہ گیا ہے نا، بھائی۔ بات یہ ہے کہ آئی ایم نو باڈیز فول۔ وہ کیا لفظ آج کل رائج ہے، چمچہ؟ بلڈی آفل ورڈ۔ مگر یس، آئی ایم نو باڈیز چمچہ۔ جو بات سچ ہے مُنہ پر کہہ دیتا ہوں۔ اگر یہ نقص نہ ہوتا۔۔۔۔ یس، اِٹ از اے فالٹ اِن مینی ویز۔۔۔۔ تو آج میں تھری سٹار ہوتا۔ خیر، آئی شڈ ناٹ کمپلین۔ سروِس نے مجُھے بہت کچھ دیا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عزت، شہرت، روزی کا بندوبست بھی ہو گیا ہے۔ بڑے سے بڑے کے پاس چلا جاؤں، اُٹھ کے ملتا ہے۔ باقی رہ گئی دولت، وہ کوئی اَپنے ساتھ تو نہیں لے جاتا۔"

باہر ایک گاڑی آ کر رُکی۔ اُس میں سے نسیمہ اُتری۔ وہ سڑک پر کچھ دیر رُکی جھک کر کار کی کھڑکی میں سے اَپنی دوستوں سے بات کرتی رہی۔

"یہ چھمی بھی آج کل عجیب چکّر میں ہے،" بریگیڈ صاحب نے دونوں لڑکوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اِس سیاسی پارٹی کے بارے میں جذباتی ہو رہی ہے۔ جلوسوں میں جاتی ہے۔ تمہیں اِس کی مصروفیتوں کا علم ہے؟"

"کبھی تھوڑی بہت بات ہوتی ہے۔" شعیب نے کہا۔ سرفراز کی آنکھیں سڑک پہ لگی تھیں۔

"السلام علیکم،" نسیمہ نے لان میں قدم رکھ کر گرمجوشی سے کہا۔ اُس نے اَپنے باپ کو ماتھے پر چوما اَور کرسی کھینچ کر اُس کے برابر بیٹھ گئی۔

"کب پہنچے؟"

سرفراز نے کلائی اُٹھا کر گھڑی دیکھی۔ "ایک گھنٹہ ہو گیا۔"

"مَیں ایک گھنٹہ پہلے ہی آ گئی ہوتی۔ بس دیر ہو گئی۔"

"گاڑی میں کون تھا؟" شعیب نے پُوچھا۔

"نصیبہ۔ اُس کو کسی سے ملنے جانا تھا، رُک نہیں سکی۔ سلام بھیجا ہے۔ کتنے دِن کی چھٹی ہے؟"

"دو دِن کی۔"

"شبو کہہ رہا تھا تین دِن کے لِئے آؤ گے۔"

"سنڈے ملا کر تین دِن ہی بن جاتے ہیں۔"

"سنڈے بھی کوئی دِن ہوتا ہے؟ سنڈے کو تو مینڈک بھی چھٹی کرتے ہیں۔"

"مینڈک؟"

"ہاں۔ یہ دیکھو،" نسیمہ نیچے گھاس کی جانب اشارہ کر کے بولی۔ "شام ہوتے ہی نِکل آتے ہیں، مچھر کھانے کے لئے۔ اتوار کو یہ بھی نہیں نکلتے۔"

سرفراز ہنس پڑا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جھوٹ نہیں ہے۔ میں نے گنے ہیں۔ اتوار کو صرف دو چار پیٹو قسم کے نکلتے ہیں۔ باقی چھٹی کرتے ہیں۔"

ملازم نے آ کر پوچھا۔ "صاحب چائے اور بناؤں؟"

"ہاں ہاں بھئی۔ چائے پلاؤ۔" بریگیڈیئر صاحب نے کہا۔

"کھانے کا وقت ہو رہا ہے۔" نسیمہ بولی۔

"وہ بھی کھالیں گے۔ اچھی سی چائے بنا کر لاؤ۔ تم پھر کسی جلوس میں گئی تھیں؟"

"پاپا آپ کیا جلوس جلوس کرتے رہتے ہیں۔ جلوس نہیں ہوتے، جلسے ہوتے ہیں۔"

"اور یہ جو لوگ سڑکوں پر جھنڈے لے کر ناچتے پھرتے ہیں۔"

"میں اُن میں نہیں جاتی۔"

"تم لوگ اِن ناتجربہ کار سیاست دانوں کے پیچھے کیوں لگ گئے ہو۔ مجھے سمجھ نہیں آتی۔"

"تجربہ کاروں نے ہمارے ملک کی جو دُرگت بنائی ہے اُسی کی وجہ سے ناتجربہ کار آئے ہیں۔ بہرحال، نئے لوگ نہیں آئیں گے تو سلسلہ کیسے چلے گا۔"

"صرف آپ کا لیڈر ہے جسے کچھ نہ کچھ لوگ جانتے ہیں۔ باقی سب رِف رَیف ہے۔"

"ہمارے ملک کا نوے فیصد رِف رَیف ہی ہے، جسے کوئی نہیں پوچھتا۔"

"اِن لوگوں میں کیا خاص بات ہے جو آپ کو اپیل کرتی ہے۔"

"رِف رَیف میں؟"

"ڈونٹ بی سلی۔ اِس پارٹی میں۔"

"سب سے پہلے تو یہ غریبوں کے حق میں ہیں۔ دُوسرے یہ لبرل لوگ ہیں۔ سوسائٹی کی گھٹن کو دُور کرنے والے ہیں۔ آپ کبھی چل کر دیکھیں، ایسے ایسے حیرتناک واقعات ہوتے ہیں۔ میں آپ کو بتاؤں، آج کے جلسے میں بڑے بڑے گھروں کی عورتیں اپنی مائیوں کے ساتھ، جن کو وہ عام طور پر چھُونا بھی پسند نہیں کرتیں، ہاتھ میں ہاتھ دے کر ناچ رہی تھیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اِسی لِئے تو لوگ آپ کے لیڈر کو شعبدہ باز کہتے ہیں۔"

"پاپا لوگ نہیں کہتے لوگ تو وہاں چل کر جاتے ہیں۔ اَیسا دشمن کہتے ہیں۔ لیکن اگر یہ شعبدہ بازی ہی ہے تو ہمارے مُلک کو شعبدہ باز کی ہی ضرورت ہے۔"

"بی سائیڈز، ہی اِز ڈِس لائِل۔" بریگیڈیئر صاحب نے کہا۔

کچھ دیر کے لِئے چاروں پر ایک نیم کشیدہ خاموشی چھا گئی۔ نسیمہ تازہ چائے بنا رہی تھی۔

"آپ لوگ چائے پیئیں گے؟" اُس نے شعیب اَور سرفراز سے پُوچھا۔

سرفراز نے اِثبات اَور شعیب نے نفی میں سَر ہلایا۔ اندھیرا بڑھ گیا تھا۔ مَہ وِش کی بتیاں جل چکی تھیں۔ تینوں خاموشی سے چائے پیتے رہے۔

"پاپا اِن مچھروں کا کوئی انتظام کریں،" شعیب نے ہوا کے اندر مچھر مارنے کی کوشش میں تالی بجائی۔ "سپرے کرائیں۔"

"کراتا ہُوں۔ دُوسرے دِن پھر آ جاتے ہیں۔ تمہیں پتا ہے، ڈبلیو۔ایچ۔او کی ٹیم مچھر مارنے کے لِئے آئی تھی۔ کراچی میں ہی ہار کر واپس چلی گئی۔ اُن کی رپورٹ تھی کہ وہ نارمل مچھر مارنے آئے تھے جِس کی اُڑان دو سو گز تک ہوتی ہے۔ ہمارے مچھر ایک میل تک اُڑتے ہیں۔ اب وہ نیا اِیکوپمنٹ لے کر آ رہے ہیں۔ یہاں سٹرانگ سٹف کی ضرورت ہے۔"

"اِتنا سٹرانگ نہ ہو کہ بندے ہی مرنے لگیں،" سرفراز ہنس کر بولا۔

"اِس کی بھی ضرورت ہے۔ ہاہاہا۔ دیکھتے نہیں شہر میں گاڑی چلانا مشکل ہو گیا ہے۔"

"پاپا۔۔۔۔" نسیمہ احتجاجاً بولی۔

"تمہارے جلوس بھی اِسی لِئے نِکلتے ہیں۔ ٹوینٹی پیپل۔ بریڈ اینڈ سرکسز۔"

"ڈونٹ سٹارٹ آن دَیٹ اگین، پلیز۔" نسیمہ نے کہا۔

"یہ سب باتیں ٹھیک ہیں بھئی،" بریگیڈیئر صاحب اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ "مگر ووٹ؟ ووٹ نہیں ملیں گے۔ ووٹوں کی اس مُلک میں اَپنی میکینکس ہے۔"

وہ لان کو پار کر کے جا رہے تھے کہ نسیمہ نے آنکھ سے شعیب کو اشارہ کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"پاپا، ہم ذرا باہر جا رہے ہیں، شعیب نے کہا۔ "چابیاں تو دیں۔"

بریگیڈیئر صاحب نے پتلون کی جیب سے کار کی چابیاں اُن کی طرف اُچھال دیں، جنہیں سرفراز نے ہوا میں پکڑ لیا۔

"پٹرول اَپنا ڈلوانا،" بریگیڈیئر صاحب بولے، "بلکہ ٹینک فل کرا کے لانا۔ ہاہاہا۔۔۔"

"کہہ دو کھانا باہر کھائیں گے،" نسیمہ نے آہستہ سے کہا۔

"پاپا، کھانا باہر کھائیں گے،" نسیمہ نے آواز دی۔

بریگیڈیئر صاحب نے مڑے بغیر جواب میں برآمدے سے ہاتھ ہِلا کر الوداع کہی اَور دروازہ کھول کر گھر کے اندر چلے گئے۔

سردیوں کی آسودہ، چمکیلی دُھوپ زمین اَور آسمان پہ پھیلی تھی۔ موسم کیا بدلا تھا کہ معلوم ہوتا تھا مُلک بھر کی رُت بدل گئی ہے الیکشن کا دُوسرا دِن تھا اَور تقریباً سارے نتائج موصول ہو چکے تھے۔ انہیں دیکھ کر پارٹی کے اَپنے لوگوں نے، بڑے بڑے لیڈروں تک نے انگلیاں دانتوں میں دبالی تھی اَور دشمن ہوش گنوا بیٹھے تھے۔ کسی کو یقین نہ آتا تھا کہ کیا سے کیا ہو گیا ہے۔ صرف ایک طبقہ تھا، چھوٹے چھوٹے ورکروں، مزدوروں کسانوں اَور غریب لوگوں کا، جن کا اعتبار پہلے دِن سے قائم تھا۔ جِس اعتبار نے اُن کی آنکھوں میں چمک پیدا کی تھی اَور اُس میں آخر دِن تک بال نہ آیا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو ووٹوں کی "میکنیکس" کا علم تو نہ رکھتے تھے مگر جنہوں نے اَپنے پاؤں پہ چل کر پرچیاں ڈالی تھیں اَور اُس مقام کو پہچانتے تھے جہاں اُن کا پسینہ گرا تھا۔ انتخابات کے نتائج سے وہ نہ حیران ہُوئے نہ پشیمان۔ اُنہیں علم تھا کہ اَیسا ہو گا۔ یہ وہ نسل تھی کہ پہلی بار جِس کا بھروسہ اَپنے خیال پہ، اَپنے لیڈر پہ، اَپنے خُدا پہ اَور اپنے دِل پہ قائم ہوا تھا۔ جِس وقت سے اِس اعتبار کی شکل اُن کے اندر پیدا ہُوئی تھی اُس وقت سے اِن کے اندر ذرہ برابر شک پیدا نہ ہوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ بڑے بڑے سیاستدانوں کی زندگیاں ان نتائج نے اُدھیڑ کر رکھ دی تھیں۔

غریب لوگوں کی یہی قوم تھی جو اعجاز کا اَپنا حلقہ تھا۔ اُس کے حلقے میں کوئی تجربہ کار سیاستدان نہ تھا، صرف وہی لوگ تھے جن کی آنکھوں کی چمک اب دوبالا ہو گئی تھی۔ اعجاز کی سکیم کامیاب رہی تھی۔ آصف شاہ اَور شیخ نصیر کی کی کشمکش جب بڑھی تو باری باری اعجاز کے پاس مدد مانگنے کو آئے۔ آخر میں پارٹی نے دونوں میں سے کسی ایک کو بھی ٹکٹ نہ دیا، بلکہ قومی حلقے کا ایک کریانے کے دوکاندار کو اَور صوبائی کا ایک چھوٹے آڑہتی کو دیا، جو دونوں اکثریت سے کامیاب ہُوئے تھے۔ یہ دونوں اعجاز کے پرانے ساتھی اَور احسان مند تھے اَور اعجاز نے ان کی بھرپور مدد کی تھی۔ آج وہ دونوں پچھلے پہر کو اَپنے اپنے ڈیروں سے فارغ ہو کر، اَپنے اَپنے حمایتوں کے ہمراہ جن کی تعداد حیرت انگیز طور پر دُگنی چوگنی ہو چکی تھی، اعجاز کے دفتر پر آ بیٹھے تھے۔ اعجاز نے پہلے سے بڑی بڑی رنگ برنگ چھتریوں کا انتظام کر رکھا تھا جو زمین میں گڑی تھیں۔ کچھ لوگ چھتریوں کی چھاؤں میں اَور باقی دھوپ میں بیٹھے تھے۔ اعجاز نے اَپنی جیب سے چائے کی دیگیں چڑھوائی تھیں۔ دو ڈھول والے دھمادھم ڈھول بجا رہے تھے۔ سب مزدوروں نے آج کے روز چھٹی کر رکھی تھی اَور شوخ رنگوں والے کپڑے پہنے، ڈھولچیوں کے گِرد دھوپ میں کھڑے، موٹے موٹے تڑکے ہُوئے سفید پیالوں میں سُڑک سُڑک کر چائے پی رہے تھے۔ ڈھول والوں کی ٹولی کی دو فربہ اندام بوڑھی عورتیں ہاتھ بلند کئے ڈھول کی تال پر ناچ رہی تھیں۔ سڑک پر ٹریفک رُکا کھڑا تھا، مگر کسی کو پروا نہ تھی۔ کاروں، بسوں اَور ٹرکوں والے فتح کی دُھن میں ہارن پر ہارن بجائے جا رہے تھے۔ کان پڑی آواز سُنائی نہ دیتی تھی۔ نئے منتخب شدہ ایم۔این۔اے اَور ایم۔پی۔اے سید باقر علی شاہ اَور مختار ڈوگر اَپنے اَپنے گروہ کے ساتھ وہاں پہنچے تو اعجاز باہیں کھول کر اُن سے گلے ملا۔ پھر سب ایک دُوسرے سے ملنے، باتیں کرنے اَور قہقہے لگانے لگے۔ کئی نئے لوگوں نے بے اختیار ہو کر ڈھول کی دھمک پر ناچنا شُروع کر دیا۔ ایک بڑی چھتری تلے بچھی کرسیوں پر شاہ صاحب، ڈوگر صاحب اَور اعجاز آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ منظور نے ایک آدمی کو آواز دی۔ "چینی کی پیالیاں صاف کر کے سپیشل چاء لے کر آ۔" کچھ دیر کے بعد میراثیوں نے ڈھول بجانے بند کر کے اَپنے چٹکلے شُروع کر دیئے۔ معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بیاہ رچا ہوا ہو۔ مزدور، محنت کش اَور دیگر غریب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لوگ اس بیباکی کے ساتھ ممبران اسمبلی سے مخاطب ہو رہے تھے گویا اُن کا دامن پکڑ کر کھینچ رہے ہُوں۔

"شاہ جی، ایک ایک وعدہ جو کیا ہے وہ پُورا کرنا ہے۔ یہ نہ ہو کہ بڑی بڑی اسمبلیوں میں جا کر اپنے وعدوں کو بھول جائیں۔ کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔"

"ہاں جناب، شاہ صاحب اور ملک صاب، یہ یاد رکھیں کہ یہ موکا پھر بھی آئے گا، جب آپ ووٹ مانگنے دبارہ آئیں گے۔"

"بھائی کیوم سولہ آنے درست بات کر رہا ہے جی،" ایک آدمی، جس کی شکل سے ظاہر ہوتا تھا کہ سدا غصے کی حالت میں رہتا ہے، بولا، "سب سے ضروری بات یہ ہے کہ منافقوں کی نشاندہی کی جائے اور انہیں کیفرکردار تک پہنچایا جائے۔ آج ہی آپ کے آگے منافقین کی قطاریں لگ جائیں گی جو آپ کی وفاداری کا حلف اُٹھائیں گے۔ اگر اجازت دیں تو میں ابھی ان کی نشاندہی کر سکتا ہُوں۔"

باقر علی شاہ نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے چپ رہنے کی تلقین کی۔ "یہ خوشی کا وقت ہے میرے بھائی۔ آج کے دِن یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ ان کاموں کے لِئے بہت وقت پڑا ہے۔"

اعجاز آگے جھک کر آہستہ سے بولا۔ "اُٹھ کر دو لفظ کہہ دیں۔ ضروری ہے۔ لوگ خوش ہو جائیں گے۔" باقر علی شاہ گویا پہلے ہی تیار بیٹھا تھا۔ اُس کے ساتھ ہی اعجاز اُٹھا۔ اُس نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر لوگوں کو آگے آنے کا اشارہ کیا۔ باتوں میں مصروف لوگوں نے ایک دُوسرے کو اعجاز کی جانب متوجہ کیا اور اُس کی چھتری کے گِرد جمع ہونے شُروع ہوگئے۔ باقر علی شاہ نے اُنہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ سامنے سامنے کے لوگ بیٹھ گئے۔

"میرے بھائیو، دوستو، ساتھیو،" باقر علی شاہ نے بولنا شُروع کیا۔

"ہم وطنو،" مختار ڈوگر نے یاد دِلایا۔

"اور ہم وطنو،" باقر علی شاہ نے کہا۔ "میں اور میرے ساتھی مختار ڈوگر صاحب یہاں آپ سب کا شکُریہ ادا کرنے کے لِئے حاضر ہُوئے ہیں۔ میں اپنے دِل کی گہرائیوں سے آپ، اور خاص طور پر ملک اعجاز کا شکُر گزار ہوں کہ آپ نے دِن رات ایک کر کے ہماری کامیابی کا سبب بنایا۔ باقی کچھ بھائیوں نے وعدوں کا ذکر کیا ہے۔ تو جناب والا، ہم کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرمایہ دار، جاگیردار، صنعتکار یا وڈیرے نہیں ہیں۔ ہم عوام میں سے اُٹھے ہیں، اور عوام میں ہی رہیں گے۔ اپنے وعدے پُورا کرنے کی خاطر، آپ کی توقعات پر پُورا اُترنے کی خاطر اگر ہمیں بڑے سے بڑے آدمی کا دامن بھی کھینچنا پڑا تو ہم گریز نہیں کریں گے، آپ کی خاطر اپنے قائد کے آگے بھی بولنا پڑا تو ہم اِس سے کبھی نہیں جھجکیں گے۔ خُدا کے فضل و کرم سے آپ دیکھیں گے کہ ہم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آپ کی اُمیدوں پر پُورے اُتریں گے۔ سن سنتالیس کے بعد آج پہلی بار عوام کی فتح ہوئی ہے، ہم اِس فتح کا احترام قائم کریں گے، اِس کی حرمت کی خاطر جان لڑا دیں گے۔ مزید براں، بھائیو یہ وعدوں کی بات نہیں، وعدے پینٹ کوٹ والے کرتے ہیں۔ ہم،" اُس نے ہاتھ سے شلوار کا پائنچہ اُٹھا کر دکھایا، "قائد سے لے کر ورکر تک موٹا جھوٹا پہننے والے لوگ ہیں۔ ہم وعدوں کی نہیں، حقوق کی بات کرتے ہیں۔ حقوق کی بات آج تک کِس نے کی ہے؟ حقوق مانگنے سے نہیں مِلتے۔ حقوق درخواست کرنے سے نہیں ملتے۔ حقوق ہاتھوں سے پکڑ کر حاصل کرنے پڑتے ہیں۔ ہم،" باقر شاہ نے سِینے پر ہاتھ مار کر کہا، "حقوق حاصل کرنے والوں میں سے ہیں۔ بولو، قوّت کا سرچشمہ۔۔۔۔"

"عوام ہیں۔۔۔۔" سامعین نے ایک ساتھ کہا۔

"ذرا زور سے۔۔۔۔ عوام۔۔۔"

"زندہ باد،" مجمعے نے نعرہ لگایا۔

"اوئے تمہارا گلا بیٹھ گیا ہے! ذرا زور لگا کے بولو تاکہ دشمنوں کے کان بھی کھلیں۔ عوام۔۔۔" "زندہ باد۔۔۔۔" جواب میں لوگ دھاڑ کر بولے۔

باقر علی شاہ فاتحانہ انداز میں مڑ کر بیٹھ گیا۔ چند ہی منٹ کے بعد وہ اور مختار ڈوگر اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ اب مجمعے نے اُن کے نام لے لے کر زندہ باد کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ ڈھولچی، جن کو دونوں ممبران اسمبلی بیس بیس روپے دے کر گئے تھے ایک بار پھر زور شور سے ڈھول پیٹنے لگے۔ اعجاز اُن دونوں کو رخصت کرنے کے لئے کچھ دُور تک ساتھ چل کر گیا۔ اُن کے پیچھے اُن کے حمایتوں کا گروہ تھا۔ ڈھول کی ولولہ انگیز دھمک دُور تک اُن کا پیچھا کرتی رہی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اِقتدار کا چمکدار ستارہ جو اِن سیدھے سادھے لوگوں کے گمان میں راتوں رات اِن کی مٹھی کے اندر آ چکا تھا اَور "طاقت کا سرچشمہ" بننے کے خواب دکھلا رہا تھا، جلد ہی اُنگلیوں کے بیچ سے چھنتا ہوا معلوم ہونے لگا۔ انتخاب ہو چکے تھے، مگر ممبران ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔ اسمبلی کا اجلاس اب تک نہ ہو سکا تھا اَور نہ ہی اس کی کوئی صورت نظر آ رہی تھی۔ ڈِکٹیٹر شپ کی مختلف بوتلوں میں بند جو حقوق کے جن ہاتھ پیَر مارتے رہے تھے جبَ بوتلیں توڑ کر باہر نکلے تو جمہوریت نے ایک عِفریت کو جنم دے دیا تھا۔ ایک طرف مُلک کے دونوں بازوؤں کی آپس کی چپقلشیں خطرناک حد تک گہری ہوتی جا رہی تھیں، دُوسری طرف مارشل لاء کی جکڑ ابھی قائم تھی۔ لوگوں کے ذہن اِنتشار کی حالت میں تھے۔اِس صورتِ حال میں پارٹی کی جانب سے ورکروں، اَور ٹریڈ یونین فیڈریشن کی طرف سے مزدوروں کو جو ہدایات موصول ہو رہی تھیں، اُن کی کوئی ٹھوس شکل یا واضح انداز نہ تھا۔ صرف گول مول اَلفاظ میں کہا جا رہا تھا کہ اَپنی تحریکوں کو فعال بنائے رکھو، انہیں مرنے نہ دو، سُست نہ ہونے دو، دباؤ جاری رکھو، جِس نہج پر یہ پہنچ چکی ہیَں اُسے برقرار رکھو۔

سیاست دانوں کے مقابلے میں اعجاز کا کام نسبتاً آسان تھا۔ سیاست دانوں کے ہاتھ میں کوئی کارگر شے نہ تھی، سوائے کاغذ ممبری کے، اَور سیاست کے اصل فوائد---- سرکاری محکموں اَور افسروں سے اَپنے لوگوں کے کام نکلوانے کے عوامل---- اُن کی دسترس سے باہر تھے، جبکہ اعجاز کا روزمرہ کا کام حسب سابق جاری تھا، کارخانے چل رہے تھے، تنظیم قائم تھی، چھوٹے چھوٹے مسائل پیدا ہو رہے تھے، سلجھائے جا رہے تھے، کشمکش رواں تھی۔ مگر اب اعجاز کے اندر ایک تبدیلی آ چکی تھی۔ اُس کا دِل بڑی حد تک اِس ایچی بیچی کام سے اُٹھ گیا تھا۔ اس روزانہ کے معمول میں، جِس کے اندر وہ جذب رہا کرتا تھا، اب اُس کے لِئے وہ کشش نہ رہی تھی، جو پہلے تھی۔ بات کو کسی حد تک مختصر اَور سادہ کر کے یہ کہا جا سکتا تھا کہ اُسے سیاست کا چسکہ پڑ گیا تھا، مگر یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ اُس کا جذبہ ایک سیڑھی اُوپر کی بلندی پہ پہنچ گیا تھا۔ جِس میں اب ساری قوم کے غریبوں کی حالت سدھارنے کا تصور **شامل** تھا۔ اَپنے حلقے کے سیاست دانوں سے اُس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رابطہ تقریباً روز مرہ کی بات تھی۔ یہ لوگ تاریخی عوامل اَور کچھ قسمت کے زور پر منتخب ہو گئے تھے، مگر انہیں اِس زندگی کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ اعجاز نے جو سکیم الیکشن کے دوران سوچی اَور چلائی تھی اُس کی مکمل کامیابی نے اُس کے اندر اعتماد کا ایک نشہ پیدا کر دیا۔ مزدور تحریک میں کام کرتے ہُوئے اُسے سالہا سال گزُر چکے تھے، مگر اب آ کر پہلی بار اُسے سیاست کی اصل رمزوں کا علم ہوا تھا۔۔۔۔ کہ اِقتدار میں ہونے یا اقتدار سے باہر ہونے کی شرط سے بالاتر، سیاست کے کاروبند میں ایک اَپنا اختیار قوّت کا احساس ہوتا ہے۔ جِس کی خاطر لوگ بڑے بڑے کام چھوڑ کر عمریں گنوا دیتے ہیں۔ اعجاز کی اہمیت میں اضافہ ہونے کے ساتھ بہت سی نئی جگہوں پر اُسے جلسوں میں شمولیت کی دعوتیں موصول ہونا شُروع ہو گئی تھیں۔ اُس کی تقریر میں روانی آ گئی تھی۔ اب اُسے تقریر لکھنے کی ضرورت محسُوس نہ ہوتی تھی۔ دو چار بنیادی تقریروں کو جوڑ توڑ کر، موقع کے مطابق خاصی پُراثر فی البدیہہ تقریر کی جا سکتی تھی۔ جَب وہ سٹیج پہ کھڑا ہو کر دو سو مزدوروں کو خوش آئند مستقبل کی خبر سناتا تو اِس مستقبل کے بے اصل ہونے کے باوجود اعجاز کو اَپنے دِل میں یقین ہوتا کہ جو بات وہ کر رہا ہے وہ سو فیصد سچ ہے اَور وہ یہ بات کہنے کا حق بردار ہے۔ اِسی یقین کی بنیاد پر اَپنی نظروں میں اُس کی حیثیت قائم تھی، اَور اِسی عزم کے باوصف، تالیوں اَور زندہ باد کے نعروں کی آوازیں سن کر خُود اختیاری کا جذبہ اُس کے اندر ایک نشہ آور دواء کی مانند پھیل جاتا تھا۔ ایک روز اچانک اُسے خیال آیا کہ یہ کیفیت اُس نئے نویلے احساس سے مشابہہ تھی جو اُس کے اندر اُس روز پیدا ہوا تھا جب، برسوں پہلے، اُس نے سڑک کے بیچ واویلا کرتی ہُوئی اُس عورت، کنیز کو دیکھا تھا۔ اُس احساس کے اچنبھے کو اَور کوئی شے پہنچ نہ پاتی تھی، سوائے اُس موقع کے جَب وہ بھری رفتار سے تقریر کر کے بیٹھتا اَور سینکڑوں لوگوں کے نعروں کی آوازیں اُسے سَر پہ اُٹھا لیتی تھیں۔ ممکنات میں سے ہے کہ یہ ایک کھوکھلا ڈھانچہ تھا جِس کے سہارے وہ یہ کھیل جاری رکھے ہُوئے تھا، مگر اِسی یقین اَور عزم کے بل پہ اُس کے دل میں غریبوں کی تقدیر بدلنے کا اِرادہ پختہ ہوتا جا رہا تھا۔ اغلب یہ تھا کہ اَپنی توصیف کا نشہ اَور غریبوں کا درد، دونوں ایک دُوسرے کو سہارا دینے کا سبب بن رہے تھے۔

اعجاز کے گِرد منڈلانے والے لوگوں میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ کبھی افواہ اُڑتی کہ جیسے ہی نئی حکومت نے انتظام سنبھالا، اعجاز کو ترقی دے کر لیبر کی منسٹری میں کسی اہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرکاری عہدے پر تعینات کر دیا جائے گا۔ کبھی خبر آتی کہ ملک اعجاز لیبر کے وفد کے ساتھ بیرونِ ملک دورے پر جا رہے ہے۔ مگر یہ موصولات زیادہ تر اُس کے اپنے لوگوں کی اختراعات ہوتی تھیں۔ اب خُود اُس کے اَپنے حواری اکٹھے ہونے شُروع ہو چکے تھے۔

اعجاز گو سکینہ سے کئی بار کہہ چکا تھا کہ الیکشن سے نبٹ کر وہ اَپنی فارغ زمین کو فصل کے لِئے تیار کرے گا مگر اُسے اسکی فرصت ہی نہ ملی تھی۔

"کھائیں گے کہاں سے؟" سکینہ کہتی، "گیہوں نہ بوئی تو آٹا کسی سے اللہ واسطے مانگ کر لائیں گے؟"

"ایسا موقع آیا تو خرید بھی سکتے ہیں،" اعجاز جواب دیتا۔ "گنا تو کھڑا کھڑا بک ہی گیا ہے۔"

"اَور زمین خرید کر سَر پر مارنے کے لِئے رکھی ہے؟"

اعجاز وقت کو ٹالتا ہی رہا۔ بیشتر اوقات جَب وہ سو کر اُٹھتا تو پہلے ہی کوئی نہ کوئی آدمی آ کر اُس کا انتظار کر رہا ہوتا اَور اعجاز ناشتہ کر کے سیدھا شہر چلا جاتا۔ آخر جَب سکینہ نے وقت ہاتھ سے نکلتا ہوا دیکھا تو گھر سے نِکل پڑی۔ اعجاز کے پیچھے اِصرار کر کے اُس نے جو کالا برقعہ سلوا رکھا تھا، اَور جسے اُس نے صرف ایک مرتبہ کسی کی شادی پر نقاب اُلٹ کر پہنا تھا، وہ اُس نے تہہ کر کے صندوق میں رکھ دیا، اَور بدن پر موٹا کھیس لپیٹ کر رقبے پر پہنچ گئی۔ چند روز کے بعد گل افروز نے اطلاع دی کہ منڈی چلنی شُروع ہوگئی ہے اَور مال بک رہا ہے۔ سکینہ نے چند روز انتظار کیا، اَور جَب سٹاک کیا مال آدھا رہ گیا تو اُس نے گل افروز کو بیلنا چلانے کا حکم دیا۔ ایک طرف سے کماد کاٹ کاٹ کر شوگر مل کے لِئے لادا جا رہا تھا۔ مخالف جانب سے گڑ کے لئے گنا کاٹا جانے لگا۔ سارا کاروبار اب سکینہ کی نگہبانی میں چل رہا تھا، سوائے منڈی کی "اگراہی" اَور شوگر مل کے نقد لین دین کے، جو اعجاز کے ہاتھ میں رہے۔ صرف پہلے روز اعجاز نے سکینہ سے اِتنا پُوچھا تھا۔

"تو نے بیلنا چلوا دیا ہے؟"

"ہاں،" سکینہ نے آرام سے جواب دیا تھا۔

"کماد تو مل کو بک چکا ہے۔"

"مل جتنا وصول کرے گی اُتنے کے پیسے دے دے گی۔ سارے کماد کا کوئی ٹھیکہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے؟"

اعجاز مُنہ موڑ کر چپکا ہو رہا تھا۔ دراصل اُس کے ذہن سے ایک بار اُتر گیا تھا۔ پھر چند دِن کے بعد وہ شہر سے لوٹا تو اُس کے خالی مربعے پر چاچا احمد ہل چلا رہا تھا۔ اُس نے علیک سلیک کے علاوہ چاچے سے کوئی بات نہ کی۔ مگر گھر آ کر سکینہ سے بولا'

"چاچا میرے رقبے پر ہل چلا رہا ہے۔"

"پوہ نِکل گیا ہے اَور گیہوں کی بیائی ابھی شُروع نہیں ہُوئی۔ تم کبھی اِدھر اُدھر نظر ڈالو تو تمہیں پتا چلے۔ دُوسروں کی فصل دو دو ہاتھ کھڑی ہو گئی ہے۔ تمہیں تو بس ایک ہی کام ہے۔ نہ اُدھر سے فارغ ہو گے، نہ فصل کا کچھ کرو گے۔ گھر میں تینوں وقت کا کھانے والی چار جانیں ہیں۔ پھر چار آدمیوں کی روٹی بیلنے پر جاتی ہے۔ پچھیتری فصل ہو گی، پر دانے تو اندر آئیں گے۔ اٹے سے جتنا بھی ہو سکا، چار کلے، چھ کلے، روٹی تو چلے گی۔"

اعجاز اِس بار بھی چپ رہا۔ اُس کا دماغ کہیں اَور اُلجھا ہوا تھا۔ ورکروں میں بے چینی پھیل رہی تھی۔ کسی کا کوئی کام نہ ہو رہا تھا۔ مُلک کے دونوں بازوؤں کے سیاسی جھگڑے گمبھیر شکل اختیار کرتے جا رہے تھے۔ یہ بھی افواہ تھی کہ فوج تصفیہ ہونے نہیں دے رہی کیونکہ بنگالی حکومت سے احکام لینے پر تیار نہیں۔ اِن حالات میں پارٹی کے لیڈر نے اپنے ورکروں کو، خاص طور پہ طلباء کو سڑکوں پہ نکال لانے کی دھمکی دے دی تھی۔ شہر میں ایک بڑا جلسہ منعقد ہونے کی خبریں آ رہی تھیں۔ تاریخ مقرر نہیں ہُوئی تھی، مگر پارٹی کے لوگ ابتدائی انتظامات میں مصروف تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ اِس بار اعجاز سے براہ راست رابطہ نہ کیا گیا تھا اَور نہ اطلاعات بہم پہنچائی جا رہی تھیں۔ کئی پیغامات بھیجنے کے بعد بھی حلقے پارٹی کے سربراہان کی جانب سے کوئی جواب نہ آیا تھا۔ جیسے جیسے یہ بات بڑھتی جا رہی تھی، اعجاز کی حیثیت مشکل سے مشکل تر ہوتی جا رہی تھی۔ اگر یہ بات اِس حد تک نہ جاتی تو اعجاز اَپنے دفتر سے اُٹھ کر پارٹی کے دفتر میں چلا جاتا اَور وہاں آمنے سامنے بیٹھ کر بات کی صفائی ہو جاتی۔ مگر محض اتفاقیہ طور پر اب حالات نے ایسا رُخ اختیار کر لیا تھا کہ اُس کے دِل میں میل آنی شُروع ہو گئی تھی۔ اب چل کر وہاں جانا اُسے اَپنی حیثیت کو کم کرنے کے برابر نظر آنے لگا تھا۔

"حاسد ہیں، مَلک جی،" منظور اُس سے کہتا۔ "آپ کی پوزیشن کو دیکھ نہیں سکتے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب ضرورت تھی تو میاؤں میاؤں کرتے روز آ جایا کرتے تھے۔ ایک دِن الٹے پاؤں چل کر آئیں گے۔ یہ لوگ کل کلاں کی پیداوار ہیں۔ آپ کی تو ساری عمر کی خدمت ہے۔"

آخر ایک روز اِتفاق سے سڑک پر اعجاز کی باقر علی شاہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ "شاہ صاحب،" اعجاز نے خوش خلقی سے کہا۔ "بڑی دیر سے ملاقات نہیں ہُوئی۔ کیا حال چال ہیں۔ آپ تو لگتا ہے کہ کچھ زیادہ ہی مصروف ہو گئے ہیں۔"

"کیا حال پُوچھتے ہیں ملک صاحب۔ آپ سے کونسی بات چھپی ہُوئی ہے۔ ایک افراتفری کا عالم ہے۔ بے چینی ہی بے چینی ہے، کچھ پتا نہیں چلتا کہ کدھر سے آ رہے ہیں، کدھر جا رہے ہیں۔ آپ خوش قسمت ہیں، ہزار دو ہزار لوگ کنٹرول کر کے بیٹھے ہُوئے ہیں۔ ہمیں پُوچھیں، لاکھوں آدمی ہیں، ہر کوئی اپنی بولی بولتا ہے، ہمارا گریبان پکڑتا ہے۔ سچی بات ہے، آپ سے کیا چھپی ہُوئی ہے۔ میں دکانداری کر کے پیٹ پالتا تھا۔ اب اِس بکھیڑے میں پڑ کے میرا تو کاروبار تباہ ہو گیا ہے۔ اپنی حکومت آئے تو کوئی وسیلہ بنے۔ اب تو اِسی اُمید پر بیٹھے ہیں۔"

"درست فرمایا آپ نے شاہ صاحب۔ مگر آپ کا ہی نہیں، سبھی کا حال ایسا ہے۔ آپ کو میں اپنے گھر کی بات بتاؤں، میری پچیس کِلّے زمین خالی پڑی ہے، اِتنی فرصت نہیں ملی کہ اُس میں سال کے دانے ہی بیج دوں۔ اب آ کر میری گھر والی نے اپنے باپ سے کہا ہے کہ دو چار کِلّے تیار کر کے بیائی کر دے۔ اب وہ ساٹھ سالہ آدمی میری سال کی گندم بیج رہا ہے۔ یہ تو حال ہے ہمارا۔ خیر، یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ یہ بتایئے کہ کسی جلسے وِلسے کی خبریں آ رہی ہیں۔ کہاں ہے، کیسا ہے، کچھ ہمیں بھی بتائیں۔"

"ہمیں تو ملک صاحب پارٹی ہیڈ کوارٹر سے یہی اطلاع ملی ہے کہ جلسے کے انتظام کے لِئے تیار رہیں اور مزید ہدایات کا انتظار کریں۔ آپ کو بھی لیبر فیڈریشن یا جہاں سے بھی ہدایات آتی ہیں آ جائیں گی۔"

اعجاز بہت ضبط کر چکا تھا۔ آخر بولا۔ "قبلہ شاہ صاحب، گستاخی معاف، عرض یہ ہے کہ الیکشن میں بھی آپ کو کوئی علم نہیں تھا کہ ہمیں کہاں سے ہدایات موصول ہوتی ہیں۔ تو کیا آپ ووٹ لینے ہماری فیڈریشن کے پاس گئے تھے؟"

"ارے بھئی ملک اعجاز، تم تو خفا ہو گئے۔ میں کہہ رہا تھا۔۔۔۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں جناب، ایسی کوئی بات نہیں۔ میں صرف اِتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جلسے کے لِئے بندے لے جانے کی خاطر ہماری خدمات کی ضرورت پڑی تو پھر فیڈریشن کے چکّر ہی لگیں گے۔"

"بھائی، بات تو سنو۔۔۔۔"

"حضور میں نے دس بندوں کے ہاتھ آپ کو اَور دس کے ہاتھ ڈوگر صاحب کو پیغام بھیجے ہیں۔ آپ کو اِتنی توفیق نہیں ہُوئی کہ ایک آدمی کے ہاتھ ہی جواب بھیج دیں۔ میرا کوئی ذاتی مفاد تو ہے نہیں، اگر پارٹی کی کامیابی ہوتی ہے اِس کا سہرا آپ ہی کے سَر ہو گا۔ آپ پارٹی کے نامزد ہیں۔"

"اعجاز، میں پہلی فرصت میں بذاتِ خُود آ کر بات کی صفائی کروں گا۔"

مگر کئی روز گزُر گئے اَور نہ باقر علی شاہ آیا، نہ مختار ڈوگر اَور نہ ہی اُن کا کوئی آدمی۔ اعجاز دِل ہی دِل میں پیچ و تاب کھاتا رہا۔ اُسے نظرانداز کیا جا رہا تھا۔ جَب ایک بار یہ خیال اُس کے دِل میں راہ پا گیا تو پھر چھلانگ پھلانگ کر بڑھتا ہی گیا۔ اعجاز کو اَپنی پوزیشن پھسلتی ہُوئی محسُوس ہوئی، جیسے کسی نے اُس کے کندھے سے چادر اُچک لی ہو۔ اُسے چادر کا نہیں، لٹ جانے کا دُکھ تھا۔ اُس نے پچھلے ایک برس کے اندر لیبر کے کام سے ہٹ کر پارٹی کی خاطر کام کیا تھا، اَور وہ ایسی بدسلوکی کا مستحق نہ تھا۔ اب آ کر اُسے محسُوس ہونا شُروع ہوا کہ وہ سیاست کے داؤ پیچ سے ابھی واقف نہ ہوا تھا۔ اُس کے ذہن میں کوئی سکیم، کوئی تجویز اِس جال سے بچ نِکلنے کی نہ آ رہی تھی۔ اِس جال کی خاصیت ایسی تھی کہ کستا ہی چلا جا رہا تھا۔ اب اُس کے لئے پسپا ہونا دشوار ہو گیا تھا۔

ایک روز اعجاز اَپنے دفتر میں بَیٹھا تھا کہ منظور ایک شخص کے ہمراہ داخل ہوا۔ "یہ چیمہ صاحب ہیں،" منظور تعارفاً بولا۔ "آپ سے ملنے آئے ہیں۔"

"اعجاز نے غور سے دیکھا تو اُسے اَپنی آنکھوں پہ یقین نہ آیا۔ "ہیڈ ماسٹر صاحب؟" وہ حیرت سے بولا۔

یہ شخص اُس کا پرانا ہیڈ ماسٹر محمد نواز چیمہ تھا۔ مگر اُس کا حلیہ اِس قدر بدل چکا تھا گویا کوئی اَور ہی آدمی ہو۔ اُس کے بال تمام تر سفید ہو چکے تھے، چہرہ مٹھی میں مروڑے ہُوئے کاغذ کی مانند لکیروں کا جال بن گیا تھا، گال پچک کر لٹک گئے تھے اَور جسم گھل کر آدھا رہ گیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ اعجاز اُسے پہچان کر اِس طرح چونکا کہ سالوں پہلے اِس شخص کے ہاتھوں اُس کا جو حشر ہوا تھا، وہ تذلیل جس نے اُس کی زندگی کا رُخ موڑ دیا تھا، ثانیۃً اُسے بھول گئی۔ وہ کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"اسلام علیکم،" اعجاز نے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔ "آپ کہاں؟ بیٹھیے۔ تشریف رکھیے۔" ہیڈماسٹر چیمہ آہستہ سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ "معاف کیجیے، میں پہلی نظر میں آپ کو پہچان نہیں سکا۔ آپ کی صحت تو ٹھیک ہے؟"

"جی نہیں،" نواز چیمہ مستقل آنکھیں نیچی کیے بولا۔ "شوگر کا مریض ہُوں۔"

"اللہ رحم کرے،" اعجاز نے کہا۔ "آج کل تو اِس کا علاج دستیاب ہے۔"

"جی ہاں،" نواز چیمہ ہولے سے بولا، مگر اُس کے سر کی جنبش سے ظاہر تھا کہ اُس نے سب کچھ آزما کر دیکھ لیا ہے اَور مایوس ہو چکا ہے۔

اعجاز چند لحظے تک اُسے دیکھتا رہا۔ آہستہ آہستہ اُسے ماضی کی یاد آ رہی تھی۔ مگر اِس وقت رنج کی بجائے اُس کے دل میں سب سے اُوپر جو احساس تھا وہ سامنے بیٹھے ہوئے اُس شخص کی ہیئت پہ حیرت کا تھا۔

"آپ ہمارے سکُول سے تبدیل ہو گئے تھے" اعجاز نے کہا۔

"جی ہاں،" نواز چیمہ نے جواب دیا۔ "ساہیوال چلا گیا تھا۔ اب دو سال سے باغبان پُورہ گورنمنٹ ماڈل سکُول میں ہُوں۔"

"اچھا؟ یہ تو اَپنا ہی علاقہ ہے۔ ہمیں خبر تک نہیں ہُوئی۔ دو سال سے ہیں،" اعجاز حیرانی سے سر ہلا کر بولا۔ "بہت بڑا سکُول ہے۔ ہیڈماسٹر ہیں؟"

"جی ڈپٹی ہیڈ ہُوں۔ یہاں سے ہیڈ کا گریڈ اُوپر ہے۔"

کچھ سیکنڈ کے لِئے پھر خاموشی ہو گئی۔ اعجاز کے دِل میں مختلف اَور متضاد جذبات تھے۔ منظور بیٹھا دو انگلیوں سے میز کو بجا رہا تھا، جس کی آواز اعجاز کو ناگوار گزر رہی تھی۔ اُس نے ہاتھ اُٹھا کر منظور کو منع کیا۔

"آج اِدھر کیسے آنا ہوا؟" اعجاز نے سنجیدگی سے پُوچھا۔

"نواز چیمہ نے حلق سے دو ایک بار ایسے آواز نکالی جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو۔ مگر رُک رہا ہو۔ پھر اُس نے مُنہ کے آگے مٹھی رکھ کر آہستہ سے حلق صاف کیا اَور آنکھیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُٹھائے بغیر کمزور سی آواز میں بولا، "ملک صاحب، میرا کوئی حق نہیں بنتا کہ آپ کے پاس کوئی غرض لے کر آؤں۔ مجھے احساس ہے کہ ایک وقت میں میرے ہاتھ سے آپ کے ساتھ زیادتی ہو گئی تھی۔ میرا کوئی حق نہیں بنتا۔۔۔۔۔۔" وہ رُک گیا۔

"کوئی بات نہیں چیمہ صاحب،" اعجاز کچھ توقف سے بولا، "قصہ کیا ہے۔ بتایئے۔"

چیمہ نے عینک اتاری اور جیب سے رومال نکال کر آنکھوں پہ دبایا، پھر اُسی رومال سے شیشے صاف کر کے عینک ناک پہ لگائی۔ اُس کے بعد وہ دونوں ہاتھ گود میں رکھ کر خاموش بیٹھ رہا، جیسے اُس کو کوئی بات نہ سوجھ رہی ہو۔

اعجاز چپکا بیٹھا اِنتظار کرتا رہا۔

ایک منٹ کے بعد نواز چیمہ بولا، "میں اَپنے کیے پر عمر بھر شرمسار رہوں گا۔"

"چھوڑیئے اُس قصے کو، گیا وقت گزُران، جو ہوا اچھا ہوا،" اعجاز ہنس کر بولا۔ "اگر آپ مجھ سے استعفیٰ طلب نہ کرتے تو آج میں سکُول ماسٹر ہی ہوتا۔ ٹھیک ہے ناء؟ چلیئے بتایئے کیا بات ہے۔"

"نویں درجے کا ایک طالب علم تھا۔ اُس کی سفارش آئی۔ لڑکا نالائق تھا، مَیں اُسے کیسے پاس کر سکتا تھا۔ اب اُس کے سفارشی نے اُستادوں سے مل کر میرے خلاف عدم اعتماد کی تحریک شُروع کروا دی ہے۔"

"اِس سے کیا ہوتا ہے۔ آپ کی نوکری پکی ہے۔"

"کہیں دُور دراز کے قصبے میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔" چیمہ نے کہا۔ "سفارشی بارسوخ آدمی ہے۔ اب تو اسمبلی کا ممبر بھی ہو گیا ہے۔"

اعجاز کے کان کھڑے ہُوئے۔ "کون ہے؟"

"مختار ڈوگر۔ ٹیچرز یونین کی لوکل برانچ میں ایک عہدیدار اُس کا سگا رشتہ دار ہے۔ اُس کے ذریعے اُس نے یہ کسب کروایا ہے۔"

"اچھا آ آ!" پھر وہ نواز چیمہ سے مخاطب ہوا۔ "یونین میں اُس کے رشتہ دار کا نام کیا ہے؟"

"عرفان ڈوگر۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اعجاز کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ "ٹھیک ہے،" چند منٹ سوچنے کے بعد وہ بولا، "میں پتا کرتا ہوں کہ یہ کیا قصہ ہے۔ ایک آدھ دِن مجھے دیں۔"

"اِس کے علاوہ،" نواز چیمہ کی آواز یکدم رندھ گئی، "بڑے لچر الزامات میرے اُوپر عائد کئے جا رہے ہیں۔ میں بوڑھا آدمی ہُوں۔ ریٹائرمنٹ میں ایک سال رہ گیا ہے۔ اب آخری عمر میں یہ سازشی ٹولہ میرے خلاف کھڑا ہو گیا ہے۔ میں فیملی والا آدمی ہُوں۔ میرے بچے اِدھر زیرِ تعلیم ہیں، میں اُن کو چھوڑ کر کہاں جاؤں۔ میرے مُنہ میں الفاظ نہیں کہ آپ کا شکریہ ادا کروں۔ میں شرمسار ہُوں۔ خُدا جانے کِس طرح۔۔۔۔" اُس کی آواز ٹُوٹ گئی اَور الفاظ گلے میں پھنس کر رہ گئے۔ اُس نے جیب سے رومال نکالا اَور مُنہ ڈھانپ کر رونے لگا۔

"بھئی چیمہ صاحب۔۔۔۔ چیمہ صاحب۔۔۔۔" اعجاز گھبراہٹ اَور تسلی کے ملے جلے اَنداز میں بولا، "چیمہ صاحب، ایسی کوئی بات نہیں۔ کنٹرول کریں۔ میں سنبھال لوں گا۔ معاملہ رفع دفع ہو جائے گا۔ فکر نہ کریں۔ منظور، چیمہ صاحب کو پانی پلا۔"

نواز چیمہ نے رومال میں ناک سنکی، پھر تہہ کر کے اُس سے آنکھیں اَور چہرہ خشک کیا اَور دوبارہ عینک لگا لی۔ پھر اُس نے کانپتے ہُوئے ہاتھوں سے گلاس پکڑا، پانی کا ایک گھونٹ بھرا اَور گلاس میز پر رکھ دیا۔ ایک منٹ تک وہ آنکھیں جھکائے بیٹھا رہا، پھر اچانک کھڑا ہو گیا۔

"اجازت چاہتا ہوں،" وہ ادب سے بولا۔

"ٹھیک ہے چیمہ صاحب، معاملہ درست ہو جائے گا۔ یہ کام میرے ذمے ہے،" اعجاز نے بیٹھے بیٹھے ہاتھ آگے بڑھایا۔ "فکر نہ کریں۔"

نواز چیمہ جلدی سے ہاتھ ملا کر دفتر سے نِکل گیا۔

اعجاز کو خاموش دیکھ کر منظور بھی چپ ہو رہا۔ کچھ دیر کے بعد اعجاز اَپنے خیال سے نِکل کر منظور سے مخاطب ہوا۔

"تُم ایک کام کرو۔ ٹیچرز یونین کی لوکل برانچ میں جاؤ اَور عرفان ڈوگر کو پکڑو۔ سکُول سے ہی پتا چل جائے گا۔ اُس کو میرا پیغام دو کہ چیمہ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہونی چاہیئے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"درست،" منظور بولا۔

"تسلی سے بات کرنا، مُنہ پر نہ دے مارنا۔ اُسے سمجھا دینا کہ چیمہ اَپنا آدمی ہے۔ اُمید تو ہے کہ اُس کی عقل میں بات آجائے گی۔ ہاں، اگر اُس نے توں تڑاں کی تو پھر اصل پیغام دینا، کہنا کہ چیمہ صاحب کو کوئی زک پہنچی تو یاد رکھنا، ہمیں بھی گُر آتے ہیں، میں برانچ ہی تڑوا دوں گا۔ سمجھ گئے؟"

"بالکل سمجھ گیا جی۔"

"مگر کوشش کرنا کہ کام آرام سے ہی ہو جائے۔ چل اب جا، تیری کارستانی بھی دیکھتے ہیں۔"

دو گھنٹے کے بعد منظور وہاں سے لوٹا۔ "بات ہی کوئی نہیں جی۔ بڑے ے ے پیار سے کام نکل آیا۔ یہ عرفان ڈوگر تو آپ کا گرویدہ ہے۔ کہنے لگا کہ ٹیچر یونین کا پہلا مظلوم تو ملک اعجاز ہی تھا۔ مختار ڈوگر کو لیڈر بنے جمعہ جمعہ آٹھ دِن ہُوئے ہیں، ملک اعجاز کو تو ہم پوجتے ہیں۔ ملک جی، ایک بات بتائیں۔"

"کہا۔"

"یہ چیمہ ہی تھا جس نے آپ کو نکالا تھا؟"

"ہاں ہاں،" اعجاز بے صبری سے بولا۔ "کئی سال ہو گئے ہیں اِس بات کو۔ اِسی لِئے تو شرمندہ ہو رہا تھا۔ بہرحال۔۔۔۔"

"عرفان ڈوگر بھی کہہ رہا تھا کہ تعمیل کرنا ہم پر لازم آتا ہے، مگر ایک بات کی سمجھ نہیں آئی، جس آدمی نے ملک اعجاز کی روزی چھینی اُسی کی آپ مدد کر رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے،" اعجاز بولا، "اتنی مدت کے بعد بات دِل میں نہیں رکھنی چاہئے۔ اُس کی شکل نہیں دیکھی تو نے، مرنے والا ہو رہا ہے۔ مجھے تو ڈر ہے ریٹائرمنٹ سے پہلے ہی گزر جائے گا۔ خیر، کوئی پکی بات بھی کی تو نے؟"

"جی کوئی پکی کی پکی؟ پتھر سے بھی پکی۔ عرفان ڈوگر کہتا ہے رشتہ داری رہی ایک طرف، ملک اعجاز نے تو ساری عمر خدمت کی ہے، اُس کا پیغام ہمارے لِئے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ چیمے کے خلاف کوئی ایکشن نہیں ہوگا۔ قرارداد واپس لے لی جائے گی۔ میں نے کہا تم فکر نہ کرو۔ مختار ڈوگر کو ہم سنبھال لیں گے۔"